۷۸۶

رسالہ

محجوب الارث

نوشتہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

استاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ

علیگڑھ

باہتمام منشی عبدالسلام

مطبع فیض عام علی گڑھ میں ۱۳۴۲ھ طبع ہوا 1923.

اور مصنف نے علی گڑھ سے شائع کیا

1926

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین وعلی جمیع المسلمین الی یوم الدین۔ اما بعد اسلامی فقہ فرایض میں ایک مسئلہ محجوب لارث کا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو بیٹا باپ کی زندگی میں اپنے بچوں کو چھوڑ کر مرجاتا ہے اس کی یتیم اولاد اپنے دادا کے مرنے پر بشرطیکہ اس نے کوئی اور بیٹا بھی چھوڑا ہو اس کے ترکہ میں سے حصہ نہیں پاتی۔ مثلاً اگر مورث نے بوقت وفات ایک بیٹا اور ایک یتیم پوتا چھوڑا تو اس صورت میں سارے ترکہ کا مورث بیٹا ہوگا۔ اور پوتا محجوب لارث۔ یعنی وراثت سے محروم قرار دیا جائیگا۔ صورت یہ ہے۔

مثال مسئلہ ۱

زید

بیٹا — خالد — ۱

بیٹا — علی — پوتا — محمود — محجوب

یہ حجب صرف اسی صورت میں محدود نہیں ہے بلکہ عصبات میں عام ہے۔ مثلاً ایک بھائی کی موجودگی میں دوسرے مردہ بھائی کی اولاد۔ یا چچا کے ہوتے ہوئے چچازاد بھائی بہن

وغیرہ سب اسی قاعدہ سے مجوب ہیں۔

اس مسئلہ کو فقہا نے اگرچہ ایک مقررہ اور طے شدہ قانون بنا کر فقہ کی کتابوں میں لکھ دیا ہے لیکن پھر بھی دیکھا جاتا ہے کہ عام طور پر مسلمان اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ خاصکر جب دوسرے اہل مذاہب اعتراض کرتے ہیں۔ اور قانون اسلام کو یتیموں کے خاندان سے خارج کرنے کا الزام دیتے ہیں تو ان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ اور کوئی معقول جواب نہیں دے سکتے۔

حال میں دو ایک قانون پیشہ اصحاب مجوب پوتے کی وکالت کے لئے اُٹھے بعضوں نے اس کی حمایت میں اخباروں میں مضامین بھی لکھے۔ قانون ساز مجلس میں بھی تحریک کی۔ لیکن قدامت پرست جماعت کے مقابلہ میں بہت جلد نوفل کی طرح جس نے مجنوں کو بیاہنے کے لئے لیلیٰ کے قبیلہ پر چڑھائی کی تھی ناکام میدان سے ہٹ گئے۔ اور بیچارہ پوتا کہتا رہ گیا ؎

ہم دل میں خوش کہ سبزۂ تربت ہرا ہوا وہ اس ادا سے روئے کہ پلکیں بھی نم نہیں

میرے دل میں ابتدا ہی سے جب سے میں نے فن وراثت کی تعلیم پائی یہ مسئلہ برابر کھٹکتا تھا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میرے ایک پھوپھی زاد بھائی حافظ عبدالاعلیٰ مرحوم جنکو بچپن ہی سے میرے باپ ماں نے تربیت اور تعلیم میں میرا ہمزاد بنا رکھا تھا اسی مسئلہ کا شکار تھے شیرخوارگی ہی کے زمانہ میں انکے والدین انتقال کر گئے تھے لیکن دادا زندہ تھے۔ اور انکے اور بیٹے بھی تھے۔ بعد میں اگرچہ انکے نیک دل دادا نے انکی وراثت کے لئے باقاعدہ وصیت نامہ لکھدیا لیکن برادر مرحوم کی جواں مرگی نے ان سب جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔

میری توجہ اسی زمانہ سے اس مسئلہ کی طرف لگی رہی۔ اور متعدد دلائل سے میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ یہ مسئلہ مغز و منشائے اسلام کے خلاف ہے۔

لیکن یہ سوچ کر کہ ممکن ہے کہ میری فہم نے غلطی کی ہو ایک عرصہ دراز تک ہندوستان کے مختلف اہل علم سے جو اس فن سے آشنا تھے اس مسئلہ کے متعلق خط و کتابت کرتا رہا۔ جو لگیا اس سے زبانی گفتگو کی۔ یہ سب لوگ میرے دلائل کے جوابات سے قطعاً قاصر رہے۔ جس سے صاف روشن ہو گیا کہ یہ مسئلہ فقہ کی ایک ناقابل قبول غلطی ہے جسکی تقلید کسی طرح روا نہیں۔

اس بنیاد پر ۱۹۳۰ء میں میں نے اس بحث کو قلم بند کیا۔ اور رسالہ معارف اعظم گڑھ کے جولائی اور اگست کے دو نمبروں میں شائع کرا دیا۔

صحیح الخیال علماء اور قانون پیشہ اصحاب نے جنکو رات دن معاملات سے واسطہ پڑتا ہے میرے ساتھ موافقت کی اور صرف وہ لوگ جو فقہائے سابقین کے مقلد ہیں اسکی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اور ان کو ہونا ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ اُن دفاتر میں کسی غلطی کے قائل نہیں کہ اسکی تحقیق کریں اور جو قائل بھی ہیں تو اِس زمانہ میں اسکی اصلاح ناممکن سمجھتے ہیں۔

محجوب الارث کا مسئلہ کوئی فرضی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ میرے پاس چونکہ فرائض کے سوالات بہت آتے ہیں اسوجہ سے اس مسئلہ سے بھی کبھی کبھی واسطہ پڑجاتا ہے۔

بعض دفعہ تو ایسی دردناک صورت پیش آگئی ہے کہ باپ کے سامنے وہی بیٹا اپنا کوئی معصوم بچہ چھوڑ کر مرگیا ہے جو اُسکے بیٹوں میں سب سے زیادہ لائق اور خدمتگزار تھا۔ جس نے باپ کی خوب خدمت کی اور اپنی کمائی سے اسکو غنی کر دیا۔ اور دوسرا بیٹا جو موجود ہے۔ وہ نہایت نالائق اور ناکارہ ہے۔ پھر دادا کے مرنے کے بعد وہ یتیم بچہ جو اپنے باپ کے ظل عاطفت سے پہلے ہی محروم ہو چکا تھا۔ اب اسکی پیدا کی ہوئی دولت سے بھی محروم

ہو جاتا ہے۔ اور سارا ترکہ وہی ناکارہ اور آوارہ بیٹا لے لیتا ہے۔

میرے ایک دوست جو علی گڑھ میں نامور وکیل ہیں۔ اُن کے یہاں ایک عورت چھوٹے چھوٹے چار بچوں کو نہایت خستہ اور تباہ حالت میں لیئے ہوئے آئی اور رو رو کر اپنی دردبھری کہانی سُنائی کہ سال گزشتہ طاعون میں میرا شوہر مرگیا، اب حال میں ان بچوں کا دادا بھی گزر گیا، اِن کا ایک چچا ہے جو نہایت نالائق اور آوارہ ہے، اُس نے مجھے بچوں سمیت گھر سے نکال دیا، میرا میکہ اس قابل نہیں ہے کہ ان کو لے کر وہاں گزر کرسکوں، آپ وکیل ہیں اللہ کے واسطے میری کچھ مدد فرمائیے اور بچوں کے دادا کی جائداد میں سے جو بہت بڑی ہے عدالت سے چارہ جوئی کرکے کچھ ان کو دلائیے۔

وکیل صاحب کو رقت تو بہت آئی لیکن بجز اس کے کیا جواب دے سکتے تھے کہ افسوس ہے کہ تمھارے بچوں کو اسلامی قانون وراثت کی رُو سے کچھ نہیں مل سکتا، اس لیئے عدالت میں دعویٰ کرنا فضول ہے۔

آخر وہ بے چاری باچشم تر اُن نیم مُردہ معصوموں کو لے کر واپس چلی گئی۔

جب اس قسم کی پیش آنے والی کوئی صورت نظر پڑتی ہے تو لوگ یہ کوشش[۱] کرتے ہیں کہ دادا اپنی زندگی میں محجوب اولاد کو کچھ دیدے، کیونکہ چچاؤں سے اُمید کم ہوتی ہے اور چونکہ فطرت نے اولاد پر شفقت کرنے کا مادہ انسان میں رکھا ہے، اس لیئے اکثر حالتوں میں دادا راضی ہو جاتے ہیں اور ان یتیموں کا تبرّعاً و احساناً اپنے مال میں سے کچھ حصّہ دیدیتے ہیں۔ لیکن بعض سخت دل ایسے بھی ہوتے ہیں جو صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ "صاحب جب

لے بعض مولوی اس کوشش کی بھی مخالفت کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس سے حق داروں کا حق زائل ہوتا ہے۔

ان کو اللہ نے نہیں دیا تو ہم دینے والے کون ہیں۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے قانونِ وراثت کے مکمل ہونے کا دعویٰ جو کیا جاتا ہے وہ کہاں تک بجا ہے کہ ایک بیکس و یتیم بچہ اپنے بزرگوں کی زندگی بھر کی کمائی سے محروم ہو رہا ہے اور کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی۔

اس لیئے کہ ایک طرف تو قانونِ وراثت اس محجوب لارث قرار دیتا ہے اور دوسری طرف فقہ دادا کے اوپر اس کے لیئے کوئی وصیت بھی فرض نہیں کرتی۔

اس صورت کو پیش نظر رکھ کر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ یہ قانون اس شفقت کے کہاں تک مطابق ہے، جو اسلام مسلمانوں میں پیدا کرنی چاہتا ہے۔

اسلام تو سراسر رحم و مہربانی ہے، ہمارے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم دنیا والوں کے لیئے رحمت اور بالخصوص یتیموں و بے کسوں کے لیئے شفیق والدین سے بڑھ کر تھے، آپ دنیا میں خود یتیم پیدا ہوئے تھے، اور ابتدا ہی سے یتیموں سے اسقدر محبت اور اُلفت رکھتے تھے کہ جب مکہ معظمہ کی گلیوں سے گزرتے تھے تو یتیم بچے اپنی دولت سمجھ کر دوڑ دوڑ کے قدموں سے لپٹ جاتے تھے۔

چنانچہ آپ کے چچا نے آپ کی مدح میں جو اشعار کہے تھے اُن میں سے ایک شعر یہ تھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ　　ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

ترجمہ:۔ نورانی چہرہ والا جس کی برکت سے باران طلب کی جاتی ہے، یتیموں کا سرپرست اور بیواؤں کا نگہبان۔

تقریباً اسی مضمون کو مولانا حالی مرحوم نے اس بند میں باندھا ہے،

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کی کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، یتیموں کا ماویٰ　　ضعیفوں کا حامی، غریبوں کا مولےٰ

کسی دوسرے ملک میں شاید یہ قانون اس قدر مضرت رساں نہ ثابت ہو جس قدر کہ ہندوستان میں ہے اسلئے کہ یہاں مسلمانوں میں بھی ایک قسم کے خاندان مشترکہ کا رواج ہے یعنی پشتہا پشت تک لوگ ایک ساتھ رہ کر زندگیاں گزارتے ہیں، اور بیٹوں کی جو کچھ کمائی ہوتی ہے وہ جب تک باپ زندہ رہتا ہے، اسی کی ملکیت میں منضم ہوتی جاتی ہے۔

اب اگر اتفاق سے کوئی بیٹا باپ کی زندگی ہی میں اپنا بچہ چھوڑ کر مرجاتا ہے تو چونکہ اسکی کوئی جداگانہ ملکیت قائم نہیں ہوتی اسلئے اس کا کچھ ترکہ ہی نہیں قرار پاتا، اور سارا مال و منال بچہ کے دادا کے قبضۂ تصرف میں رہتا ہے، پھر جب دادا مرتا ہے تو دوسرے حصہ دار بیچ میں آکر حائل ہوجاتے ہیں، جنکی وجہ سے وہ یتیم بچہ محجوب قرار پاجاتا ہے اور خود اس کے باپ کے گاڑھے خون کی کمائی دوسروں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔

اب ہم اس مسئلہ پر تفصیلی بحث شروع کرتے ہیں جس سے اسکی پوری حالت منکشف ہوجائیگی اور معلوم ہوجائیگا کہ آیا یتیم اولاد حقیقت میں محجوب ہے بھی یا نہیں۔

ہم جہاں تک غور کرتے ہیں، قرآن اور حدیث تو خیر خود فقہ بھی اصولاً انکو محجوب نہیں کرتی ہے، فقہاء نے حجب حرماں کو صرف دو اصول پر مبنی قرار دیا ہے۔

(۱) جو شخص مورث کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے رشتہ رکھتا ہے وہ اسوقت تک وراثت نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ درمیانی شخص موجود ہے۔

(۲) الاقرب فالاقرب۔ یعنی قریب کا رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کرتا ہے۔

اصل الفاظ سراجی کے یہ ہیں،

وھو (حجب الحرمان) مبنی علی اصلین احدھما ان کل من یدلی الی المیت بشخص	حجب حرماں دو اصول پر مبنی ہے، پہلا یہ کہ جو شخص میت سے کسی کے واسطے سے قرابت رکھتا ہے تو اس واسطہ

لا یرث مع وجود ذالک الشخص والثانی الاقرب فالاقرب ۔

کی موجودگی میں وارث نہیں ہوگا، اور دوسرا الاقرب فالاقرب ہے ۔

پہلا قاعدہ جسکو مختصر لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں ۔

واسطہ کی موجودگی میں ذی واسطہ وارث نہیں ہوتا ۔

یتیم پوتے کو کسی طرح محروم نہیں کرتا، اسلئے کہ پوتے کو دادا کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ بوسطہ اپنے باپ کے ہے، اور جب باپ جو واسطہ تھا موجود ہی نہیں ہے تو پھر پوتا کیوں محروم ہونے لگا۔

دوسرا قاعدہ الاقرب فالاقرب ہے، اسی میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے، اسکے ظاہری معنی کا خیال کرکے لوگوں نے یہ سمجھا کہ بیٹا جو قریبی رشتہ دار ہے، یتیم پوتے کو جو اس سے دُور کا رشتہ دار ہے محجوب کردیگا،

دراصل یہی اور صرف یہی ایک قاعدہ ہے جسکی بنیاد پر یتیم اولاد محجوب قرار دیجاتی ہے، لہذا ہم اپنی تمام بحث کا مرکز بھی اسی قاعدہ کو قرار دیتے ہیں۔

اگر یہ قاعدہ الاقرب فالاقرب اپنے ظاہری معنوں میں رکھا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محروم کردے تو وراثت کے بہت سے مسلمہ اور اجماعی مسائل ٹوٹ جائینگے

مثال نمبر ۱

مسـ زید مسئلہ ۶

دادا ۱ — بیٹا ۵

اس مثال میں بیٹے کی موجودگی میں دادا کو حصہ ملا ہے، حالانکہ بیٹا میت سے بہ نسبت دادا کے اقرب ہے، کیونکہ بیٹا بلاواسطہ اس سے رشتہ رکھتا ہے، اور دادا بواسطہ باپ کے اس کا رشتہ دار ہے۔

مثال نمبر ۲

مسـ زید مسئلہ ۶

باپ ۱ — بیٹا ۴ — پڑنانی ۱

یہاں بیٹے اور باپ کے ہوتے ہوئے پڑنانی حصّہ لیگئی جو نہایت دُور کی رشتہ دار ہی،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ[1] کو اسی پر تعجب تھا کہ بھتیجا پھوپی کا وارث ہوتا ہی، اور پھوپھی بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی، لیکن اگر موجودہ فقہ اُن کے سامنے ہوتی تو اُن کو اور بھی حیرت ہوتی کہ نانی بلکہ پڑنانی تک تو نواسے کے ترکہ میں سے حصّہ پاتی ہی اور نواسا اُن میں سے کسی کا بھی ترکہ نہیں[2] پاتا۔ دادا محجوب الارث پوتے کا وارث ہوتا ہی اور محجوب الارث پوتا دادا کا وارث نہیں ہوتا۔

مثال نمبر ۳ — زینب مسئلہ ۶

شوہر	ماں	دو اخیافی بھائی	دو حقیقی بھائی	دو علاتی بھائی
۳	۱	۲	محروم	محروم

اِس مثال میں کسی قاعدہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

حجب حرماں کا پہلا قاعدہ یہ چاہتا تھا کہ دونوں مادری بھائی جو ماں کے واسطہ سے رشتہ رکھتے ہیں اِس کی موجودگی میں محروم ہوں لیکن نہیں ہوئے۔

دوسرا قاعدہ بھی یہی چاہتا تھا کہ ماں جو قریبی رشتہ دار ہی، مادری بھائیوں کو محروم کردے لیکن نہیں کرسکی۔

حقیقی اور علاتی بھائی جو قوت قرابت کے لحاظ سے اقوی اور اقرب تھے، وہ بھی اخیافیوں کو نہیں محروم کرسکے بلکہ ان کی وجہ سے اُلٹے خود محروم ہوکر کہنے لگے ؎

یہاں ہم بدنصیبوں کے جو حصّہ میں نہیں آتی — الٰہی رہ گئی کیا خوبیِ قسمت دیں بنکر

دنیا میں کون شخص ہی جو کہہ سکتا ہی کہ حقیقی بھائیوں کو محروم کرکے اخیافی بھائیوں کو حصّہ

---

[1] چنانچہ کنز العمال میں ہی کہ وہ پھوپھی اور خالہ کو محروم نہیں کرتے تھے۔

[2] تعجب پر تعجب یہ ہی کہ ماں جو کمزور وارث ہی وہ تو دادی کو محروم کردیتی ہی اور باپ جو قوی وارث ہے نانی کو نہیں محروم کرسکتا۔

دیدینا جو زیادہ تر اپنے کنبہ کے بھی نہیں ہوتے، کسی معقول اصول وراثت پر مبنی ہے۔[1]

---

[1] اصل بنا اس کی یہ ہے کہ اس آیت میں "وان کان رجل یورث کلالۃ او امرءۃ ولہ اخ او اخت"، ابی بن کعبؓ کی قراۃ کے مطابق اخ او اخت کے بعد "لاُم" کا اضافہ کرکے فقہا نے اخیافیونکو ذوی الفروض میں داخل کردیا، اسلئے حقیقیوں سے جو عصبہ ہیں اُن کا حق مقدم ہوگیا۔

لیکن اس آیت کے جو معنی قرار دیے گئے ہیں وہ بوجوہ ذیل ٹھیک نہیں۔

۱- ابی بن کعبؓ جن کی قراۃ کے مطابق معوذتین قرآن سے خارج ہیں، انکے "لاُم" قرأت کی روایت جہاں تک ہم کو معلوم ہے، بیہقی نے لکھی ہے، جن کی تصنیفات کتب حدیث میں طبقہ ادنیٰ کی ہیں،

۲- یہ قراۃ بمقابلہ قراۃ متواترہ کے بالاتفاق تمام اُمت کے نزدیک نامقبول ہوئی، اور کسی نے لاُم نہیں پڑھا، لہذا اس سے استدلال کرنا اسکو ایک ساتھ ہی نامقبول اور مقبول دونوں قرار دینا ہے۔

۳- فقہا اور مفسرین "لہ" کی واحد مذکر غائب کی ضمیر کو رجل اور امراۃ دونوں کی طرف راجع کرتے ہیں جنمیں سے امراۃ مونث حقیقی ہے وہ کبھی اس کا مرجع ہو ہی نہیں سکتی، اس صورت میں لھما، یا لکل واحد منھما، چاہیئے تھا۔

۴- توریث کلالہ والی آیت میں جو آخر سورہ میں ہے اخ اور اخت کے الفاظ بعینہ یہی ہیں۔ اب اگر دونوں آیتیں اُنہیں کی توریث کے متعلق قرار دیجائیں تو دونوں کو ناقص کہنا لازم آتا ہے۔ یعنی اس آیت میں "لاُم" کا لفظ اور اُس میں لاَبٍ واُمٍ یا لاَبٍ بڑھانا پڑیگا۔ حالانکہ اس کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

۵- اگر اس آیت سے اخ اور اخت کی توریث مقصود تھی تو کیوں اللہ تعالیٰ نے لاُم نہیں فرمایا۔ وہ خود کہتا ہے "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا"، تفسیر کے موقع پر ابہام کلام کے نقائص میں سے ہے جس سے قرآن بہت بالاتر ہے۔ آیت کے کھلے ہوئے معنے یہ ہیں۔

اگر کوئی مرد کسی کلالہ کا وارث بنایا جائے یا کوئی عورت۔ بحالیکہ اس کلالہ کے کوئی بھائی یا بہن ہو تو اس مرد یا عورت میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملیگا۔

"لہ" کی ضمیر کا مرجع کلالہ ہے۔ اور "لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا" میں تثنیہ کی ضمیر رجل و امراۃ کی طرف راجع ہے نہ کہ اخ و اخت کی طرف۔ یُورَث باب افعال سے ہے مجرد سے نہیں ہے۔

اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ قطعاً نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ عہدی رشتہ داروں کا ہے۔ بھائی اور بہن کا ذکر صرف اسوجہ سے آگیا ہے کہ یہ والدین اور اولاد کی طرح عہدی رشتہ داروں کو محروم نہیں کرتے بلکہ ان کی موجودگی میں بھی وہ وارث ہوسکتے ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب الوراثۃ فی الاسلام دیکھنا چاہیئے)

یہ سوچنے کی بات ہے کہ جس رشتہ سے اخیافی وارث بنائے گئے ہیں، حقیقیوں میں اگر باپ کے رشتہ کا نہ بھی خیال کیا جائے تو کم سے کم وہ رشتہ تو ضرور موجود ہے پھر ان کو محروم کرنے کے کیا معنی۔ چنانچہ امام مزنی کی کتاب المختصر میں ہے کہ اس صورت میں حضرت عمرؓ حقیقیوں کو محروم نہیں کرتے تھے۔

خود فقہا بعض جگہہ دو قرابت والوں کو ایک قرابت والے سے اقوےٰ قرار دیکر حصہ دلاتے ہیں، لیکن یہاں معاملہ اسکے برعکس ہے۔

مثال نمبر ۴۔ مسئلہ ۱۸ زید

دو بیٹیاں	دو پوتیاں	پڑپوتی	سکڑپوتی	سکڑپوتا
۱۲	۲	۱	۱	۲

اس صورت کو فقہا مسئلہ تشبیب کہتے ہیں۔ اس میں بیٹیاں اقرب ہیں۔ انکی موجودگی میں نیچے والیوں کو محروم ہونا چاہیے تھا۔ لیکن بخلاف اسکے پوتی، پڑپوتی، سکڑپوتی، سکڑپوتا جو سب نیچے اوپر مختلف درجہ کے ہیں آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بہن قرار دیے گئے، اور سب کو ترکہ میں سے حصہ ملگیا۔

لیکن ایک بدبخت یتیم پوتا ہی ہے جو اپنے باپ کی عدم موجودگی میں اسکے بجاے اپنے چچا کا بھائی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے

بست تسکر بمستان داد چشمت بہ میخوراں   منم کز غایت حرماں نہ با آنم نہ با اینم

ان متعدد اور مختلف قسم کی مثالوں سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ قاعدہ الاقرب فالاقرب اپنے ظاہری معنی میں یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہے وہ بعید کو محروم کردے نہیں لیا جا سکتا ورنہ تمام اعتراضات مذکورہ وارد ہوتے ہیں۔

ان اعتراضات سے بچنے کے لئے یہ جواب دیا گیا کہ یہ قاعدہ یعنی الاقرب فالاقرب صرف

عصبات میں ہے ذوی الفروض میں جاری نہیں ہوتا۔

لیکن پھر اس پر بھی اعتراضات پڑتے ہیں کہ اچھا بالفرض اگر یہ قاعدہ صرف عصبات میں ہی اور ذوی الفروض میں نہیں ہے تو جدات جو ذوی الفروض ہیں، ان میں قریب بعید کو کیوں محروم کرتی ہے، چنانچہ سراجی میں ہے۔

والقربیٰ من ای جھۃ کانت تحجب البعدیٰ من ای جھۃ کانت۔	جدہ قریبہ خواہ کسی طرف کی ہو جدّہ بعیدہ کو خواہ کسی طرف کی ہو محجوب کردیگی۔

نیز بیٹیاں، پوتیوں کو اور حقیقی بہنیں جب ذوی الفروض ہوتی ہیں تو علاتی بہنوں کو کس قاعدہ سے محروم کرتی ہیں؟

ان اعتراضات سے مجبور ہو کر پھر فقہا نے تسلیم کیا کہ الاقرب فالاقرب کا قاعدہ ذوی الفروض میں بھی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جن رشتہ داروں کی وراثت کا سبب متحد ہی، اُن میں قریب بعید کو محجوب کرتا ہے، یعنی ماں، نانی، پڑنانی، دادی، پڑدادی، ان سب کے وارث ہونے کا سبب "امومت" ہے جو سب میں یکساں پایا جاتا ہے، اسلئے انہیں سے جو قریب ہوگی وہ بعید کو محروم کردیگی، نیز بیٹیوں اور پوتیوں میں بھی سبب وراثت متحد ہے یعنی "بنتیت" اس وجہ سے بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں محروم ہوجائینگی، علیٰ ہذا حقیقی بہنیں بھی بوجہ اتحاد سبب وراثت اور قرب کے علاتی بہنوں کو محجوب کردینگی۔

یہاں تک آکر فقہا اس بحث کو ختم کردیتے ہیں، اور گویا یہ قاعدہ دوم یعنی الاقرب فالاقرب اُنکے خیال میں اپنی جگہہ پر مضبوط اور مستحکم ہوگیا۔

لیکن ابھی اعتراضات اور باقی ہیں اور بلا انکے جوابات دیے ہوئے یہ عقدہ مشکل حل نہیں ہوسکتا۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ اتحاد سبب وراثت محض تمہاری خیالی توجیہ ہے۔ اسکو ہم تسلیم نہیں

کرتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسی قسم کی بے بنیاد توجیہات سے اس فن میں خرابیاں واقع ہوگئی ہیں

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اتحاد سبب وراثت کو جب ترکہ دلانے میں دخل نہیں ہے تو محروم کرنے میں کیسے دخل ہوگیا، مثال نمبر۳ میں اخیافی بھائیوں میں جو سبب وراثت پانے کا ہے وہی حقیقیوں میں بھی موجود ہے، پھر بھی حقیقی محروم کئے گئے اور اخیافیوں کو ترکہ دیا گیا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اتحاد سبب وراثت کو حجب حرمان میں اگر کوئی دخل ہے تو پھر ذوی الفروض ہی کے ساتھ اسکو کیا خصوصیت ہے، عصبات میں بھی یہی شرط لگانی چاہیئے۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ بالفرض ہم نے آپ کے اس مشروط قاعدہ کو تسلیم بھی کرلیا کہ ذوی الفروض میں الاقرب فالاقرب کا قانون اسوقت جاری ہوگا، جب ان میں سبب وراثت متحد ہوگا، لیکن مندرجہ ذیل مثالوں میں یہ قاعدہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

مثال نمبر۱۔ زید مسئلہ ۶

بیٹی	پوتی	بھتیجا
۳	۱	۲

یہاں بیٹی اور پوتی کا سبب وراثت متحد ہے، اور وہ دونوں ذوی الفروض میں سے ہیں پھر بھی بیٹی نے جو اقرب ہے پوتی کو محروم نہیں کیا۔

مثال نمبر۲۔ زید مسئلہ ۶

حقیقی بہن	علاتی بہن	بھتیجا
۳	۱	۲

اس صورت میں بھی حقیقی اور علاتی بہنوں کی وراثت کا سبب متحد ہے، اور دونوں ذوی الفروض ہیں چاہیئے تھا کہ حقیقی علاتی کو بوجہ اقرب ہونے کے محجوب کرتی۔

علاوہ بریں عصبات میں جہاں آپ نے قاعدہ الاقرب فالاقرب کو بلا کسی قید کے رکھا ہے وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اتحاد سبب وراثت کے بھی قریب بعید کو محجوب نہیں کرتا۔ مثلاً

مسئلہ تشبیب کو لیجئے جو مثال نمبر ۴ میں دکھلایا گیا ہے اس میں پوتی، پڑپوتی، سکڑپوتی سب کے وارث ہونے کا سبب متحد ہے بلکہ چونکہ وہ سب کی سب سکڑتے کی وجہ سے عصبہ بنائی گئی ہیں، اسوجہ سے انکے عصبہ ہونے کا بھی سبب ایک ہی ہے، پھر بھی ان میں قریب نے بعید کو محجوب نہیں کیا اور سب کو ایک ہی درجہ میں رکھکر یکساں حصّہ دیدیا گیا۔

اسی طرح جب عصبہ اور ذوی الفروض کا باہم اجتماع ہوتا ہے تو کہیں فقہ اس قاعدہ کو جاری کرتی ہے اور کہیں نہیں کرتی، بیٹا عصبہ کے ساتھ پوتی صاحبۂ فرض محروم ہو جاتی ہے، لیکن باپ عصبہ کے ساتھ نانی صاحبۂ فرض محروم نہیں ہوتی۔

الغرض یہ صاف روشن ہو گیا کہ الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جس معنی میں فقہا نے استعمال کیا ہے کسی تاویل سے ٹھیک نہیں ہوتا، بلکہ ہر پہلو سے خود انہیں کے مسلّمات سے ٹوٹ جاتا ہے، لہذا ایسے غیر مسلم قاعدہ سے یتیم اولاد کو محجوب کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

اصلیت یہ ہے کہ الاقرب فالاقرب کے قاعدہ میں اقرب کا ظاہری مفہوم اگر مراد لیا جائے یعنی یہ کہ مطلقاً درجہ کے لحاظ سے جو قریب ہو وہ بعید کو محجوب کردے تو یہ قاعدہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، یہاں اقرب سے بجز اسکے کچھ مُراد نہیں لیا جا سکتا کہ :۔

اقرب وہ رشتہ دار ہے جو بلا واسطہ مورث سے رشتہ رکھتا ہو، یا بالواسطہ لیکن بوقت وفات مورث کے وہ واسطہ موجود نہو۔

جس طرح کہ میت کے مرنے کے وقت اگر اس کا باپ موجود نہیں ہے تو دادا بجائے باپ کے رکھا جاتا ہے، اسلئے کہ بیچ میں جو واسطہ تھا یعنی باپ جس کی وجہ سے دادا محجوب ہو جاتا تھا وہ نہیں ہے، لہذا دادا اِس واسطہ کی عدم موجودگی سے خود اقرب ہو گیا، اور اب کوئی اقرب خواہ وہ بیٹا ہی کیوں ہو دادا کو محجوب نہیں کر سکتا۔

اِسی طرح مورث کی وفات کے وقت اگر اس کا کوئی یتیم پوتا ہی تو وہ اپنے متوفی باپ کی جگہہ رکھا جائیگا اور وہی حصّہ لیگا جو اسکے باپ کا تھا، مورث کا جو بیٹا موجود ہی وہ اسکو محجوب نہیں کرسکتا، اسلئے کہ واسطہ کی عدم موجودگی سے وہ خود اقرب ہو گیا ہے۔

تعجب ہی کہ دادا کے معاملہ میں تو فقہا اقرب کا یہی مفہوم لیتے ہیں، لیکن پوتے کے معاملہ میں نہیں، پوتے کی بدنصیبی کے سوا اور اس کی کوئی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی، ؎

من ازیں طالعِ شوریدہ برنجم ورنہ　　　بہرہ مند از سرِ کویت دگرے نیست کہ نیست

حقیقت یہ ہی کہ وراثت کا سارا دارومدار قائم مقامی پر ہے۔ لہٰذا جس بچہ کا باپ مرگیا ہی وہ وراثت میں اس کا قائم مقام سمجھا جائیگا۔ فقہا نے اس مسئلہ میں اسی اصل نکتہ یعنی قائم مقامی کا لحاظ نہیں رکھا جسکی وجہ سے ایسی عظیم الشان غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یتیم بچوں کو محجوب کرنے لگے۔ یہ امر غور کے قابل ہی کہ جس بیٹے کی موجودگی کی وجہ سے یتیم پوتے کو فقہا محجوب قرار دیتے ہیں، وہ بیٹا صرف ایک ہی طرف سے کیوں حاجب ہوتا ہے، یعنی صرف پوتے ہی کو دادا کے ترکہ سے کیوں محجوب کرتا ہے، دادا کو اس پوتے کے ترکہ سے کیوں نہیں محجوب کرتا، بلکہ دادا کی وجہ سے اُلٹا خود ہی محروم ہو جاتا ہے، اس سے صاف نمایاں ہو جاتا ہے کہ قائم مقامی کے اصول پر وہ کسی طرح پوتے کا حاجب نہیں ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ اقرب کا سوائے اسکے جو ہم نے اوپر لکھا ہے، اور کوئی مفہوم ہو ہی نہیں سکتا، یہی معنی لینے سے الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جو تقسیم وراثت میں اصل الاصول اور بنیادی قانون ہے، اپنی جگہہ پر ٹھیک بیٹھ جاتا ہے۔

محجوب پوتے کو وارث بنانے پر ظاہر میں جو شبہات ہو سکتے ہیں، ہم انکو خود ہی لکھکر انکے جوابات بھی دیدیتے ہیں تاکہ اس مسئلہ کی اچھی طرح توضیح ہو جائے۔

شبہ اوّل

محجوب پوتے کو قرآن کریم کی رُو سے کیسے ترکہ دیا جا سکتا ہے اس میں تو کہیں پوتے کا ذکر نہیں، صرف اولاد کا لفظ ہی جسکے معنی بیٹا بیٹی کے ہیں۔

جواب

اس کا الزامی جواب یہ ہی کہ غیر محجوب پوتوں کو فقہا بھی تو ترکہ دلاتے ہیں، پس جو آیت انکی وراثت کی دلیل قرار دیجائیگی وہی ہماری بھی دلیل ہوگی۔

تحقیقی جواب یہ ہی کہ اولاد کا لفظ جو قرآن میں ہے اسکے معنی صرف بیٹا بیٹی کے نہیں ہیں بلکہ نیچے تک تمام اولاد اس میں داخل ہی، تفسیر خازن میں آیت "ولھن الربع مما ترکتم" کے ذیل میں لکھا ہے۔

اسم الولد یطلق علی الذکر والانثی ولا فرق بین الولد وولد الابن وولد البنت فی ذالك۔	ولد کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے بولا جاتا ہی اور اس میں اولاد، اور بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد میں کوئی فرق نہیں۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۸ مطبوعہ مصر میں ہے۔

الولد اعم من الذکر والانثی ویطلق علی الولد لصلب وعلی ولد الولد وان سفل	ولد کا لفظ مذکر اور مونث دونوں سے عام ہی اور صلبی اولاد اور نیچے تک اولاد کی اولاد پر بولا جاتا ہے۔

فقہا بھی اسکے ساتھ متفق ہیں، اور ولد میں ولد الابن کو داخل سمجھتے ہیں، شریفیہ شرح سراجی صفحہ ۲۶ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ میں ہی۔

ولد الابن داخل فی الولد لقولہ تعالیٰ یا بنی آدم۔	اولاد میں بیٹے کی اولاد بھی داخل ہے کیونکہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کہا ہے۔

آیت توریث میں جہاں جہاں بھی ولد کا لفظ آیا ہی ہر جگہہ بالاتفاق فقہا، نے نیچے تک تمام اولاد نر و مادہ کو اس میں داخل سمجھا ہے، مثلاً

فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن۔

اگر انکی (تمہاری بیویوں کی) کوئی اولاد ہو تو انکے ترکہ میں سے تم کو چوتھائی ملیگا،

فقہا میں سے ایک نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ بیویاں جب صلبی بیٹا یا بیٹی چھوڑ کر مریں، اسی وقت شوہروں کو چوتھائی ملیگا، بلکہ سب کا اتفاق ہی کہ وہ پوتا، پوتی، پڑوتا، پڑوتی کسی کو بھی اگر چھوڑیں تو شوہر کو چوتھائی ملیگا۔

اولاد تو پھر بھی ایک عام لفظ ہے، ابن وبنت کے الفاظ جو عربی زبان میں خاص بیٹا بیٹی کے لئے وضع کئے گئے ہیں، وہ بھی قرآن میں کئی جگہہ وسیع معنوں میں مستعمل ہوئے ہیں، اور نیچے تک کی تمام اولاد کو شامل ہیں، جابجا اللہ تعالیٰ نے ہم کو "یا بنی آدم" کہکر خطاب کیا ہی، بیسیوں نسلیں حضرت یعقوب کی گزر گئی تھیں، لیکن انکی اولاد قرآن میں یا بنی اسرائیل کہکر پکاری گئی۔

دور کیوں جائیے خود آیت وراثت ہی کے ایک رکوع کے بعد ہے، حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم یہاں بنات کے لفظ کو تمام فقہا رنے بیٹیوں، پوتیوں، پڑوتیوں، یہانتک کہ نواسیوں پر بھی شامل تسلیم کیا ہے، اسلئے آیت وراثت میں جو اولاد کا لفظ ہی اس میں یقیناً پوتا داخل ہے اور کسی طرح خارج نہیں ہو سکتا۔

اور یہ مجازاً نہیں ہے بلکہ حقیقتاً ہے، جیسا کہ علامہ ابو بکر بن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں لکھا ہے۔ کیونکہ ولد کا لفظ ولادت سے مشتق ہے، اسلئے اولاد کی اولاد بھی حقیقتاً اولاد ہی، جس طرح کہ جزء کا جزء بھی حقیقتاً جزء ہے۔

شبہ دوم

جب مجوب پوتے کو وراثت دلائی جاتی ہے تو پھر سب پوتے برابر ہیں، ہر ایک کا رشتہ دادا کے ساتھ یکساں ہے، لہٰذا صرف وہی پوتا کیوں دادا کا ترکہ پائے جس کا باپ دادا سے پہلے مرگیا ہے، وہ پوتے بھی کیوں نہ وارث ہوں جنکے باپ موجود ہیں۔

جواب

جن پوتوں کے باپ موجود ہیں، اصل میں مجوب وہی پوتے ہیں، کیونکہ انکے باپ خود انکے اور اُنکے دادا کے درمیان حاجب ہیں، نہ وہ دادا کا ترکہ پوتے کو پہنچنے دیتے ہیں اور نہ پوتے کا ترکہ دادا کو بلکہ دونوں طرف سے بیچ میں خود ہی وارث بن جاتے ہیں، اسلئے وہ پوتے جنکے باپ موجود ہیں دادا کے مرنے پر اقرب نہیں ہوسکتے، بخلاف اس پوتے کے جس کا باپ مرگیا ہے کیونکہ واسطہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ دادا کا اقرب ہوجائیگا، اسلئے وارث ہوگا۔

بعینہ اس کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص نانی، دادی اور باپ کو چھوڑ کر مرجائے ظاہر ہے کہ دادی کو میّت کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ کسی طرح نانی کے رشتہ سے کم نہیں ہے، لیکن بوجہ اسکے کہ باپ درمیان میں حاجب موجود ہے دادی مجوب ہوجاتی ہے اور نانی حصہ پا جاتی ہے کیونکہ نانی اور مورث کے درمیان کوئی حاجب موجود نہیں ہے۔

شبہ سوم[ل]

بیٹا اور پوتا دونوں عصبہ ہیں، اور عصبات میں یہ قاعدہ ہے کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ "اولیٰ رجل ذکر" یعنی قریب ترین مرد نر کو دیا جاتا ہے، اسلئے بیٹے کے ہوتے ہوئے اس قانون کی رُو سے یتیم پوتے کو کچھ نہیں ملیگا۔

[ل] یہ شبہ علمائے اہل حدیث کی طرف سے کیا گیا ہے۔

جواب

اگر عصبات میں "اولیٰ رجلٍ ذکرٍ" کو آپ بطور قانون کلی کے قرار دیتے ہیں تو خود کیوں اسکو جابجا توڑتے ہیں، مثلاً

مسـ

دو بیٹیاں	بہن	بھتیجا
۲	۱	محروم

اِس مثال میں بیٹیاں ذوی الفروض ہیں، ان کو دو ثلث دینے کے بعد جو کچھ بچا تھا وہ اس قاعدہ کی رُو سے بھتیجے کو جو اقرب ترین مرد نر ہے ملنا چاہیے تھا، لیکن وہ تو محروم کر دیا گیا، اور بہن جو زنِ مادہ ہے بقیہ کی وارث ہو گئی۔

علیٰ ہذا مسئلہ تشبیب یعنی مثال نمبر ۴ کو دیکھیے اس میں مردِ نر اور زن مادہ سب کو ایک ساتھ وارث بنایا گیا ہے کیا قانون کلی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں جو قدم قدم پر ٹوٹ جایا کریں؟ ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث : الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھی لاولی رجل ذکر، "ذوی الفروض کو انکے حصے دیکر بقیہ قریب ترین مرد کو دیدو" کسی خاص مسئلہ کے متعلق فرمائی گئی ہے، مثلاً یہ صورت فرض کیجیے کہ کوئی شخص ماں، بیٹی، باپ یا چچا اور بھائی کو چھوڑ کر مر گیا، اس کے بارہ میں یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ذوی الفروض کے حقوق دیکر جو کچھ بچے قریب ترین مرد کو دیدو لیکن اسکو ایک عام اصول قرار دے لینا صریحاً قرآن کے منافی ہے۔

مثال نمبر ۱۔

مسـ زید مسئلہ ٦ ۱۸

ماں	بیٹی	بیٹا
۳	۵	۱۰

یہاں ماں کو ایک سُدس دینے کے بعد آپکے اس قانون کلی کے مطابق بقیہ پانچ سدس بیٹے کو ملنا چاہیے، لیکن قرآن مجید اسکے برخلاف اس صورت میں بیٹا اور بیٹی دونوں کو وارث بناتا ہے

اور بیٹے کا نصف بیٹی کو دلاتا ہے۔

مثال نمبر ۲ زید مسئلہ ۶ ۱۸

ماں	بیٹی	بہن	بھائی
۳	۹	۲	۴

اِس صورت میں ماں اور بیٹی جو ذوی الفروض ہیں ان کا حصہ دینے کے بعد بقیہ بھائی کو ملنا چاہیئے تھا کیونکہ وہ "اولیٰ رجل ذکر" ہے، لیکن قرآن کریم بھائی اور بہن دونوں میں للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اب سوچیے کہ یہ حدیث جسکی صحت پر تمام اہل سنت متفق ہیں قانون کلّی قرار دینے سے قرآن کے خلاف پڑتی ہے اور غلط ہوئی جاتی ہے، اسلئے یقیناً یہ کسی خاص مسئلہ ہی کے متعلق ہوسکتی ہے۔

یہاں ایک امر اور غور کے قابل ہے کہ آپ جہاں اسکو قانون کلّی قرار دیتے ہیں کہ بقیہ "اولیٰ رجل ذکر" کو ملنا چاہیئے وہاں اس حدیث کو بھی قانون کلّی ہی سمجھتے ہیں کہ "اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة" بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنا دو۔

اِس مثال نمبر ۲ میں بتائیے تو سہی کہ آپ نے اپنے ان دونوں کلّی قوانین میں سے کس پر عمل کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیرؓ اس بات کے قائل نہیں تھے کہ بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو بھی حصہ مل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ اولاد کے ساتھ بہنوں کو وارث بناتے ہیں وہ آئیں ہم اُنکے ساتھ مباہلہ کے لیے تیار ہیں کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہو۔

شبہ چہارم

صحیح بخاری کتاب الفرائض میں ہے، ولا یوث ولد الابن مع الابن۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا وراثت نہیں پاتا۔

جواب

اس جملہ کے معنی تو یہ ہوئے کہ "بیٹے کی اولاد خود اس بیٹے کی موجودگی میں وراثت نہیں پاتی" اِسلئے کہ اس جملہ میں دونوں جگہہ لفظ ابن پر الف لام تعریف کا ہے اور اصول فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایسی صورتمیں دونوں سے مراد ایک ہی ذات ہوتی ہے، چنانچہ نورالانوار میں ہے۔

المعرفة اذا اعيدت كانت الاولى عين الثانية | معرفہ جب دوبارہ لاجائیگا تو پہلا بعینہ دوسرا ہوگا

چنانچہ اِسی بنیاد پر اس میں لکھا ہے کہ اِس آیت میں

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا | یقیناً دشواری کے ساتھ آسانی ہے یقیناً دشواری کے ساتھ آسانی ہے

عُسر ایک اور یُسر دو سمجھے گئے ہیں سند میں شاعر کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

اذا اشتدت بك البلوى ففكر فى الم نشرح * فعسر بين يسرين اذا فكرته فافرح

جب تجھپر بلاؤں کی شدت ہو تو الم نشرح کی سورۃ میں غور کر کیونکہ ایک دشواری دو آسانیوں کے درمیان ہے یہ سوچکر خوش ہو جا۔

اصول فقہ کی رُو سے اسکے معنی یہی ہوئے کہ بیٹے کی موجودگی میں خود اسکی اولاد محروم رہتی ہے یہ نہیں کہ کسی بیٹے کی موجودگی میں وہ حصہ نہ پائے، اِسلئے یہ ہمارے مدعا کے مخالف نہیں ہے بلکہ مطابق ہے۔

علاوہ بریں یہ حدیث نبوی نہیں ہے، صرف حضرت زید بن ثابت کا قول ہے، اور تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وراثت کے مسائل میں اکثر رائے رکھتے تھے، اور ان میں باہم ایک دوسرے سے اختلاف ہو جاتا تھا، چنانچہ کئی مسلوں میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت میں اختلاف واقع ہوا ہے، اور ایک نے دوسرے کی رائے کو نہیں تسلیم کیا، فتح الباری میں جد کے متعلق ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر

نے اسکی وراثت کے بارے میں اپنے زمانے میں نئے فیصلے کئے اور سب ایک دوسرے سے مختلف تھے،

شبہ پنجم

امام بخاری نے یہی باب باندھا ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں بیٹے کی اولاد وراثت نہیں پاتی۔

جواب

بیشک، لیکن جو دلیل وہ اسکے اوپر لائے ہیں وہ ایک تو یہی حضرت زید بن ثابتؓ کا قول ہے جسکے متعلق تفصیل کے ساتھ ہم لکھ چکے ہیں، دوسری "اولیٰ رجل ذکر" والی حدیث ہے، جسکے بارہ میں ہمنے ثابت کر دیا ہے کہ وہ صرف کسی جزئی مسئلہ کا حکم ہے، قانون کلی نہیں ہو سکتی،

شبہ ششم

جب بڑے بڑے علماء و فقہائے اُمت نے جنکی بزرگی اور علمی عظمت کو تم خود تسلیم کرتے ہو اپنی کتابوں میں تصریح کے ساتھ لکھدیا ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں یتیم اولاد محجوب ہوتی ہے تو پھر تم اس مسئلہ کو کیوں تسلیم نہیں کرتے[۵]۔

جواب

ان تصریحات سے میں بھی واقف ہوں، لیکن فقہی مسائل میں ہمکو ہر ایک فقیہ سے خواہ وہ کتنا ہی معظم و محترم کیوں نہو اختلاف کرنیکا حق حاصل ہے، اور خاصکر اُس مسئلہ میں جسکی عدم صحت کے قوی دلائل ہمارے پاس موجود ہوں، ایسے تنازع کی صورت میں قرآن مجید یہ حکم دیتا ہے۔

فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر۔

جو تم کسی بات میں آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو،

اس لئے تاوقتیکہ کتاب اللہ کی کسی آیت سے اس مسئلہ کا ثبوت نہ دیا جائے، یا کوئی حدیث صحیح

---

۵ یہ بات میرے جواب میں مدرسہ دیوبند کے مفتی صاحب نے لکھی ہے۔

یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا کوئی فیصلہ پیش نہ کیا جائے اسوقت تک ہم کیونکر ایسا مسئلہ تسلیم کرلیں جو اسلامی شفقت بلکہ انسانی فطرت کے بھی خلاف معلوم ہوتا ہے، اور جسکے مان لینے سے دشمنان اسلام کو اسلام کے قانون پر اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے۔

علمائے اُمّت نبی تو نہیں ہیں کہ معصوم ہوں، چنانچہ خود ان میں باہم بشمار اختلافات ہیں قطعی حجت صرف کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی ہے اور بس۔

قرآن اور حدیث دونوں متوفی بیٹے کی اولاد کو قطعاً محروم نہیں کرتے، فقہ میں اقرب کا صحیح مفہوم متعین نہیں کیا گیا، جس کی وجہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ یتیم اولاد محجوب قرار پا گئی، حالانکہ خود فقہا کے یہاں اسکے خلاف مثالیں موجود ہیں، مثلاً بیٹی کے ساتھ پوتی کو بھی وہ حصّہ دلاتے ہیں، نیز پوتی، پڑوتی، سکڑوتی، سب کو ایک درجہ میں رکھکر برابر ترکہ دیتے ہیں لیکن یتیم اولاد کے بارےمیں آکر یک قلم محجب حرمان کا فرمان صادر کر دیتے ہیں، ؎

باکہ این نکتہ تواں گفت کہ آں شیریں لب — کشت مارا و دم عیسیٰ مریم با اوست

یتیم اولاد کو خاندانی حقوق سے خارج کر دینا، اور اُن کو ہمیشہ کے لئے اُنکے آبا و اجداد کی جائداد اور ملکیت سے محروم کر دینا ایک ایسا خلاف فطرت قانون ہے کہ تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر انصاف پسند عقلا اسکو جائز رکھتے ہیں، کوئی شخص ٹھنڈے دل سے سوچکر انصاف سے کہے کہ خدانخواستہ اگر وہ خود یا اسکی اولاد اس قانون کی رُو سے محجوب ہو تو کیا وہ اُس کو پسند کریگا؟ لہذا ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند، قرآن میں ہے۔

ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم۔ فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولاً سدیداً۔	اور ان لوگوں کو خوف کرنا چاہیئے جو اگر اپنے بعد ناتوان اولاد چھوڑ جاتے تو ان پر ترس کھاتے اسلئے انکو چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک بات کہیں۔

پوتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے۔

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ و رزقکم من الطیبات افبالباطل یومنون وبنعمۃ اللہ ھم یکفرون۔	اور اللہ نے تمہیں میں سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے، اور پاک چیزوں سے تم کو روزی عطا فرمائی۔ کیا پھر بھی لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔

کیا نعمت الٰہی کی قدر و حرمت یہی ہے کہ وہ خاندان سے خارج اور اپنے باپ دادا کی کمائی اور محنت کے ثمرہ سے محروم کر دی جائے اور در بدر ٹھوکریں کھاتی پھرے۔

یتیم اولاد کے محجوب کرنے میں صرف یہی برائی نہیں ہے کہ وہ اسلامی شفقت اور انسانی فطرت کے خلاف ہے بلکہ معاشرت میں اس سے خرابیاں واقع ہو سکتی ہیں۔

ایک خرابی تو یہ ہے کہ محجوب اولاد کے دلوں میں محرومی کی وجہ سے رنجش پڑ جاتی ہے کیونکہ ہر شخص فرشتہ تو نہیں ہے کہ مادی جذبات سے بالاتر ہو، انسان کی فطرت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ میرے ہی بزرگوں کی کمائی سے جن کا خون میری رگوں میں گردش کر رہا ہے، میرے چچا زاد بھائی تو عیش و عشرت کر رہے ہیں اور میں بلا کسی قصور کے اس سے بالکل محروم ہوں تو اسکو صبر نہیں آتا۔ ؎

سخن درست بگویم نمے توانم دید   کہ مے خورند حریفان و من نظارہ کنم

اس رنجش کی بدولت خاندان میں ایک دائمی عداوت کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے دینی اور دنیاوی برکتیں مفقود ہو جاتی ہیں، اور ترقی نہیں ہوتی بلکہ بعض حالتوں میں یہ عداوت خاندان پر تباہی اور بربادی لاتی ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ جب لایق بیٹوں کو جو باپ کے خدمت گزار ہیں، اور اس کی ملکیت کے انتظام و ترقی میں دن رات محنت اور کوشش کرتے ہیں، یہ یقین ہو جائیگا کہ اگر اتفاقاً وہ اپنے باپ سے پہلے مرگئے، تو ان کی اولاد محجوب ہو جائیگی تو وہ باپ کی خدمت او اس کے کاروبار سے پہلو تہی کرنے لگیں گے، اور اپنی کمائی اور کوشش سے اپنی جداگانہ ملکیت پیدا کرنے کی فکر میں پڑجائیں گے، کہ اگر احیاناً ایسا حادثہ پیش آجاسے تو ان کی اولاد کے پاس کچھ سرمایہ رہے اور وہ بالکل ہی دست نگر اور محتاج نہ رہجائے، اس لئے کہ یہ امر فطرتی ہے کہ انسان کو اپنے ماں باپ سے زیادہ اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے،

تو ایسی حالت میں جبکہ بیٹے اس خیال میں پڑجائیں گے نہ باپ کی جائداد در ملکیت کا انتظام درست ہوگا نہ اس میں ترقی ہوسکیگی، علاوہ بریں باپ کو اپنے بڑھاپے کے زمانہ میں بھی جو توبہ اور عبادت کا وقت ہے، اپنے دنیادی کاروبار سے سبکدوشی حاصل نہ ہوسکیگی، اور اولاد سے وہ جائز آسائش اس کو نہ مل سکیگی جس کی عہد پیری میں ان سے توقع کی جاتی ہے، اور نہ اولاد ہی اس کی خدمت کر کے سعادتمندی حاصل کرنے کے قابل ہوگی۔

تیسری خرابی ایک مثال سے سمجھ میں آسکتی ہے، فرض کیجیے کہ ایک دولتمند کے دو بیٹے ہیں جن میں سے ایک بیٹے کے چار بیٹے، ایک کا صرف ایک ہی بیٹا ہے، اب اگر چار بیٹوں کا باپ خود اپنے باپ کی زندگی ہی میں مرجائے تو اس کے چاروں بیٹے محجوب الارث کے قانون کی رو سے سمجھ لیں گے کہ جو کچھ خاندانی ملکیت ہے وہ دادا کے مرنے پر چچا کو اور پھر اس سے منتقل ہو کر چچازاد بھائی کو ملیگی، ہم چاروں بھائی تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہوگئے، اسلئے ان میں سے اگر کوئی محرومی کے خیال سے غیظ و غضب میں آکر اپنے بھائیوں کی خاطر بلا انکے مشورہ کے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر دادا کی زندگی ہی میں چچا کو کسی حیلہ سے مار ڈالے تو بالکل قرین قیاس ہے

کیونکہ آئے دن مال و دولت کے پیچھے دنیا میں خونریزیاں ہوتی رہتی ہیں، بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ بشرط ثبوت قاتل کو سزا ملجائیگی، لیکن اس کے بقیہ تین بھائی جو پہلے بالکل محروم تھے، اب دادا کے ترکہ میں سے تین ثلث کے حصہ دار ہونگے، اور اپنے چچازاد بھائی سے جو پہلے اپنے باپ کے ذریعہ سے سارے ترکہ کا وارث ہوتا تگنا حصہ پائیں گے، اس غریب کا باپ بھی مارا گیا، اور حصہ بھی صرف ایک چوتھائی رہ گیا، اور قاتل کے بھائی جو محجوب تھے اس سے تگنے کے حق دار ہوگئے[۵]۔

اسلئے یہ محجوب الارث کا مسئلہ بعض صورتوں میں قتل اور قطع رحم کا بھی محرک ہوسکتا ہے،

الغرض مسئلہ محجوب الارث میں ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خرابی ہے، اور یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے اہل اسلام اس مسئلہ کو اگرچہ مانتے چلے آتے ہیں لیکن ان کی طبیعتیں اس سے مالوف نہیں ہیں اور عام طور پر انکے دلوں میں یہ کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔

اُمید ہے کہ فقہائے اسلام ان تمام امور کو پیش نظر رکھکر اس مسئلہ پر غور فرمائیں گے اور نہایت کمزور دلائل کی بنیاد پر یتیم اولاد کو خاندانی حقوق سے بلاقصور محروم کرکے اسلام کے مقدس دامن پر یتیموں کے خون کے دھبے نہ ڈالیں گے،

ہم سے غلطی ہونی ممکن ہے لیکن اسلام دین الٰہی ہے وہ ہر قسم کی غلطیوں سے مبرا اور پاک ہے ؎

گر من آلودہ دامنم چہ عجب　　　ہمہ عالم گواہِ عصمت اوست

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب ——— العٰلمین،

---

[۵] فقہا ایک درجہ کے ایک قسم کے ورثہ میں ترکہ کو علی الرؤس تقسیم کرتے ہیں، مثلاً زید اگر اپنے چار پوتے چھوڑ کر مرجائے جن میں سے تین ایک بیٹے کے ہوں اور ایک ایک بیٹے کا تو وہ چاروں برابر کے حصہ دار ہونگے، یہ طرز تقسیم ایسا ہے کہ نہ اس پر قرآن شاہد ہے نہ حدیث، اور عقل کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ وہ تینوں بیٹے اپنے باپ کے قائم مقام ہیں جو زیادہ سے زیادہ نصف کا حصہ دار ہوسکتا تھا۔ پھر اسکے قائم مقام تین ثلث کیونکر پاسکتے ہیں، یہاں بھی فقہا نے قائم مقامی کے اصول کو نظرانداز

تصانیف مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

تاریخ الامت - حصہ اوّل سیرۃ الرسولؐ قیمت فی جلد عہ

" " دوم خلافت راشدہ " ع

" " سوم خلافت بنی امیہ " عہ

" " چہارم خلافت عبّاسیہ " ع

تاریخ القرآن - قرآن مجید کے ابتدائے نزول سے آج تک کے حالات قیمت فی جلد عہ مجلد عہ

حیات حافظ - خواجہ حافظ شیرازی کی سوانح عمری - انکی شاعری پر بحث۔ عہ

حیات جامی - مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی کے حالات - انکی تصانیف پر تبصرہ۔ ۸/

الوراثۃ فی الاسلام - بزبان عربی - قانون وراثت بالکل جدید نوعیت کیساتھ۔ ۸/

خواتین - ابتدائے اسلام سے آجتک کی ۴۳ مشہور خواتین کے معتبر تاریخی حالات۔ عہ

محجوب لارث - معقول دلائل سے یتیم پوتے کو محجوب کرنے کی تردید۔ ۴/

ملنے کا پتہ

مکتبۂ جامعۂ ملّیۂ اسلامیۂ علیگڑھ